Tarjihaat
Volume: V
Issue: VII- VIII July-August 2025 جولائی۔اگست ۲۰۲۵
ISSN: 2583-0082
Online Research Journal

ڈاکٹر محسن خالد محسنؔ
لیکچرار، شعبہ اُردو، گورنمنٹ شاہ حسین گریجوایٹ کالج، چوہنگ، لاہور
ڈاکٹر عظمیٰ نورین
لیکچرار، شعبہ اُردو، گورنمنٹ ویمن یونیورسٹی، سیالکوٹ

کلامِ اقبال کا آفاقی تناظر۔تجزیاتی مطالعہ

Universal perspective of Kalam-e-Iqbal. Analytical study

Today we are living in the era of globalization of the 21st century. The world of literature of the nineteenth century is unique in the sense that its readers had formed an opinion by grasping all the emotions and moods and concepts and possibilities of the coming era with the eyes of consciousness. The land of the subcontinent has the distinction of being the birthplace of Allama Muhammad Iqbal, whose far-sighted and thoughtful vision encapsulated the vastness of the wider narrative of the universe in poetry with all the details. Despite the passage of hundreds of years, Allama Muhammad Iqbal's poetry has covered all the attributes of universality. Which not only provides guidance in correcting the direction of the world, but also the thought stream of a leader and a reformer's constructive thinking is waiting to show the way in the implementation of the political, social, religious, and economic issues and problems of the present era. This paper is based on the analytical study of the universal perspective of Allama Muhammad Iqbal's poetry and the issues of human poetry in the present era. Through this paper, it will help to compare the universal scope of Allama Muhammad Iqbal's speech with the widespread universal system of the concept of universality and make a comparative analysis that the relationship of poetry with universality is being developed and why poetry is human life. It has been playing a pioneering role in all matters and concepts.

Key words: *Allama Iqbal, globalization, Pakistani society, self, consciousness, Islam, philosophy, Iranian tradition, Sufism, monarchy, freedom، Intellectual sense، Coherent، Self, Khuddi، contemporary relevance*

خلاصہ: انیسویں صدی کا عالمی ادب اس حوالے سے اختصاص رکھتا ہے کہ اس کے حاذقین نے آنے والے دور کے جملہ ہیجانات و میلانات اور تصورات و امکانات کو شعور کی نگاہ سے ٹٹول کر رائے قائم کر دی تھی۔ برصغیر کی دھرتی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہاں علامہ محمد اقبال نے جنم لیا جن کی دور اندیش متفکر نگاہ نے آفاقیت کے وسیع تر بیانیے کی وسعت کو تمام تر جزئیات کے ساتھ شاعری میں سمو دیا۔ سینکڑوں برس گزرنے کے باوجود علامہ محمد اقبال کی شاعری اپنے اندر آفاقیت کی جملہ صفات کا احاطہ کیے ہوئے ہے جس سے دُنیا کی سمت درست کرنے میں نہ صرف راہنمائی ملتی ہے بلکہ عہدِ حاضر کے سیاسی و سماجی اور مذہبی و اقتصادی معاملات و مسائل کی انجام دہی میں ایک رہبر و مصلح راہنما کی تعمیری سوچ کا فکری دھارا، راستہ دکھانے کا منتظر دکھائی دیتا ہے۔ یہ مقالہ علامہ محمد اقبال کی شاعری کے آفاقی تناظر کا عہدِ حاضر کے جملہ نظمِ انسانی کے معاملات کا کلامِ اقبال کے تجزیاتی مطالعہ پر مبنی ہے۔ اس مقالہ کے ذریعے علامہ محمد اقبال کے کلام کی آفاقی وسعت کو عالمگیری تصور کے پھیلے ہوئے آفاقی نظام سے منطبق کر کے تقابلی تجزیہ کرنے میں یہ مدد ملے گی کہ شاعری کا آفاقیت سے کیس نوع کا تعلق اُستوار رہا ہے اور شاعری کیوں کر انسانی حیات کے جملہ معاملات و تصورات میں ایک پیش رو کا کردار، ادا کرتی آئی ہے۔

Tarjihaat
Volume: V
Issue: VII- VIII July-August 2025 جولائی۔اگست ۲۰۲۵
ISSN: 2583-0082
Online Research Journal

کلیدی الفاظ: علامہ اقبال، آفاقیت، برصغیر، عالمگیریت، پاکستانی سماج، عقل و عشق، خودی، اسلام، عظمتِ انسانی، ایرانی روایت،، تصوف، ملوکیت، آزادی

دُنیا تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ ہر آن بدلاؤ کا عمل جاری ہے۔ ہر لمحے کچھ نیا سامنے آرہا ہے۔ اکیسویں صدی میں وقت اس قدر سُرعت سے گزر رہا ہے کہ انسانی عقل اس کے آگے سرنگوں دکھائی دیتی ہے۔ کیا کیا جائے کہ وقت کو تھامنے کی گرفت کسی کے پاس نہیں ہے۔ وقت کا دھارا یونہی بہتا ہے۔ انسان مثلِ خس و خاشاک اس دھارے میں بہتے چلے جاتے ہیں۔

انسان ہزاروں لاکھوں برس سے وقت کا اسیر رہا ہے۔ اس نے دُنیا کے جملہ نظام کو بدلنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کوشش میں اس کا حلیہ بگڑ گیا، طور، اطوار تبدیل ہو گئے۔ اس کی جملہ شخصیت کے نقوش یکسر متبدل ہو گئے لیکن وقت پر اس کی دسترس ہنوز ہے نہ شائد کبھی ہو سکے گی۔

انسانوں میں اچھے، برے، اعلیٰ ادنی، کمال و پست ہر قسم کے انسان ہیں جو اپنی عقل کی بساط سے دُنیا کے نظام کو اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ انسان چاہتا ہے کہ وہ زبردست حکمران بن جائے۔ اس کے آگے پتہ بھی حرکت نہ کر سکے۔ اس کے حکم کے بغیر موت کو بھی مداخلت کی جرات نہ ہو۔ یہ حکم ربی کا، ازن ہے کہ اس کا نائب اپنے مالک کی فطرت پر چلنے کی بجائے دھڑن تختہ کرنے کی کوشش میں غلطاں رہتا ہے۔

دُنیا میں کتنے حکمران ایسے آئے جنھوں نے رب تعالیٰ کے مقابلے میں خود کو عوام کے سامنے بطور "خدا" کے پیش کیا۔ کسی حد تک یہ اپنے عزم میں بظاہر کامیاب بھی دکھائی دیئے۔ ابراہیم و نمرود اور عیسیٰ وغیرہ کے مکالمات اسی خواہش کی ترجمانی کرتے ہیں۔ آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری میں انسان ہاتھ میں پتھر لیے کھڑا ہے۔

کسی کو پروا نہیں کہ انسان جو شیشے سے زیادہ کمزور اور ناپائیدا ہے، وہ پل بھر میں ٹوٹ کر، کرچیاں ہو جائے گا اور کسی صورت مندمل ہونے کی حالت میں کبھی لوٹ نہ سکے گا۔

دُنیا ایک آفاقی رنگ و بو کا مظہر ہے جہاں غیر معمولی انسانوں نے اپنی فکر، سوچ، تفکر، فلسفے اور اندازِ حیات سے ایک عالم کو متاثر کیا۔ دُنیا بھر کی زبانوں میں ایسی نابغہ روزگار شخصیات موجود ہیں جنھوں نے حیوانِ ناطق کو حیوانِ ظریف بنا ڈالا۔ گنگ کو ماہر اندازِ تکلم کر ڈالا۔ دُنیا کبھی عاقل و حازق سے خالی نہیں رہی۔ دُنیا کا جملہ نظام حاذقین اور ذی شعور افراد کے ہاتھوں تشکیل پایا ہے اور استحکام کے دوام سے آشنا ہوا ہے۔

برصغیر پاک و ہند کو اس حوالے سے امتیاز حاصل ہے کہ یہاں ایک سے بڑھ کر ایک بڑا شخص پیدا ہوا جس نے اپنی فکر اور فلسفہ سے مقامی نسبت سے ماورا ہو کر کم و بیش پورے عالم کے باشعور لوگوں کو متاثر کیا۔ ایسی شخصیات کے نام گنوانے پر آجائیں تو ہزاروں کے نام کم پڑ جائیں۔

برصغیر پاک وہند کی مجموعی معاشرت، تہذیبی اقدار اور طریق ہائے زیست کو متاثر کرنے والی شخصیات میں سرفہرست علامہ محمد اقبال ہیں۔ علامہ محمد اقبال(1877-1938) کی شخصیت، شاعری اور جملہ فکر و فن اس تھا کہ چہار عالم میں بطور شاعرِ مشرق ڈیڑھ سو برس گزر جانے کے باجود ان کی شہرت برقرار ہے۔

علامہ محمد اقبال نے اُردو، فارسی اور زبان میں شاعری کی۔ ان کی شاعری میں دُنیا بھر کے موضوعات کی بازگشت دکھائی دیتی ہے۔ علامہ محمد اقبال کا جنم ایک ایسے پُر فتن دور میں ہوا، جب برصغیر غلامی کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا۔ حکومت انگلشیہ نے سلطنتِ مغلیہ کا آٹھ سو سال پر محیط اقتدار کو تلوار کے زور پر لپیٹ دیا تھا۔ 1803 میں رعونت سے دہلی میں داخل ہونے والی ایسٹ انڈیا کمپنی 1857 کے غدر سے 1947 تک برصغیر کی واحد مطلق العنان بادشاہت بن کر حکومت کرتی رہی۔

مزے کی بات یہ کہ برس ہا برس سے بہادر شاہ ظفر کی حکومت محض کٹھ پتلی کی صورت عوام الناس کو دُھوکے میں ڈالنے کے لیے کافی تھی۔ بے بسی و لاچاری کے عالم میں جب پورا ہندوستان یہ توقع کر رہا تھا کہ ہمارا بادشاہ ہمارے لیے کچھ کرے گا، وہ صاحبِ عالی یاسیت کے عالم میں ناامیدی و ناپائیدائِ حیات کے نوحے الاپ رہے تھے۔ برصغیر کی زمین پر کتوں، چیلوں اور گدھوں کی طرح بیرونی حملہ آوروں نے پے در پئے اتنے چھید کیے کہ اس دھرتی کی کُوک نے خود کو بنجر کے القاب سے ملقب ہونے کی مستقل شرمندگی کو برسوں تازہ داغ کی صورت جھیلا۔

حکومتِ انگلشیہ کے مکمل اقتدار(1858-1947) کے بعد برصغیر میں دیگر اقوام سمیت مسلمان بھی غلامی کی دلدل میں مستقل اسیر کر لیے گئے۔ ایسے عالم میں جب ہر طرف لعنت پھٹکار پڑ رہی ہو، غیر تو غیر اپنے بھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ برصغیر دُنیا کا 20 فیصد جی ڈی پی نکالنے کا والا ملک جسے ہیرے جواہرات سے لیس سونے کی چڑیا کہا جاتا تھا، بدیسی قوم کے ہاتھوں ذلت آمیز غلامی میں مبتلا تھا۔ اس وقت کوئی آواز ایسی نہ اُبھر سکی جو اپنی قوم کی آزادی اور بہ حیثیت انسان مستحق عزت کے حصول کے لیے سامنے آسکے۔

آلام و آزمائش کے طویل خلا کے بعد یاسیت کی دبیز تاریکی میں ایک پُرزور صدا پکاری جس نے یہ کہا کہ اب بہت ہو چکا ۔ ہم ایک قوم ہیں اور ہمیں اسی شناخت کے ساتھ پکارا جائے۔ اس آواز نے دیکھتے ہی دیکھتے پورے برصغیر میں شعور کی شمع کو آناً فاناً جلایا۔ یہ آواز علامہ محمد اقبال کی صورت میں برصغیر کی جملہ محکوم رعایا کے لیے آزادی کی نوعیت بن کر اُبھری تھی جس پر ہر جنس و مذہب و مسلک نے لبیک کہا۔

ؔ اٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے — مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

ؔ اس سراب رنگ و بو کو گلستاں سمجھا ہے تو — آہ اے ناداں قفس کو آشیاں سمجھا ہے تو

Tarjihaat
Volume: V
Issue: VII- VIII July-August 2025 جولائی۔اگست ۲۰۲۵
ISSN: 2583-0082
Online Research Journal

علامہ محمد اقبال کی تربیت خالصتاً دینی ماحول میں ہوئی تھی۔ان کے والد نے اپنے بیٹے میں یقینی طور پر اُس شعور کی رو کو بھانپ لیا تھا جو آگے چل کر الاؤ کی صورت اختیار کرنے والی۔اقبال کی تربیت اور اس کے شعور کو آفاقی رنگ دینے میں ان کے والد، اساتذہ اور دینی ماحول نے اہم کردار ادا کیا۔

اقبال نے "بانگ درا"(1924) کی نظموں سے آزادی کے تصور کا نعرہ بلند کیا۔اقبال نے یورپ کے سفر (1905-1908) کے بعد اس بات کو شدت سے محسوس کر لیا تھا کہ ہم بہ حیثیت قوم کئی لاینحل عوارض کا شکار ہیں جن کا حل فقط دینِ اسلام کی تعلیمات سے مل سکتا ہے۔اقبال اس بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ برصغیر کی رعایا پر عالمگیری سامراج کا تادیر غلبہ مختلف حکمرانوں کے تسلط کی صورت رہا ہے اس لیے یہ اتنا آسان نہیں ہے کہ کسی ایک فکر، بیانیہ یا فلسفہ کی لاٹھی سے انھیں ہانک کر ایک مقصد کے حصول پر مجتمع کر لیا جائے۔

؎ فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں — کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

؎ ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو — اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا

اقبال نے یورپ کے سفر کے بعد اس بات کو پوری صداقت سے محسوس کر لیا تھا کہ برصغیر کی دھرتی پر ہزاروں برس سے بیرونی حملہ آوروں کی حکمرانی کے گہرے نقوش ثبت ہیں۔ برصغیر کی رعایا نے لاشعوری طور پر متنوع قسم کے رسوم و رواج اور اندازہائے زیست کو اختیار کر رکھا ہے جس میں قسم قسم کی آلائش آمیز رنگینیاں اور کثافتی جلوؤں کی مستیاں ہیں جو انھیں ذہنی و قلبی طور پر غرقاب کر چکی ہیں۔

؎ اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی ﷺ

؎ ترا وجود سراپا تجلی افرنگ — کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر

؎ مگر یہ پیکرِ خاکی خودی سے ہے خالی — فقط نیام ہے تو، زر نگار و بے شمشیر

مغربی تہذیب کی چکاچوند سے اثریت کی عملی صورت کا اطلاق جدرس گاہوں میں زیرِ تعلیم طلبہ، خانقاہوں میں جلوہ گر صوفیا، مساجد کے ممبروں پر متمکن علمائے سُو اور عملی زندگی میں بر سر پیکار سورماؤں کے ہاں بڑی آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔اقبال نے مسلمانوں کی دکھتی رگ پر ہاتھ کر اس کے اندر کی منافقت اور ذاتی مفادات کے حصول کی بُو کو محسوس کر لیا تھا۔

؎ کیا مرا تذکرہ جو ساقی نے بادہ خواروں کی انجمن میں — تو پیر میخانہ سُن کے کہنے لگے کہ منہ پھٹ ہے خوار ہو گا

؎ تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی — جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

سفرِ یورپ کے بعد اقبال نے اس بات کو بھی محسوس کر لیا تھا کہ اسلام ایک آفاقی دین ہے جو پوری دُنیا کے انسانوں کی رہنمائی کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس کے جانشین اسی کے خلاف صف آرا ہیں۔ مغربی تہذیب کی چمک دمک ہو

،یا،ایرانی تہذیب کی جلوہ گری یا ترکوں کی کھوکھلی معاشرت کی کسمپرسی ،ان امتزاج کے سنگم نے برصغیر کے تعمیری اذہان کو سطحیت کی گرواٹ سے ہم آہنگ کرڈالا تھا،یہ وہ پاتال ہے جہاں سے سطحِ آب تک آنا قریباً ناممکن ہو چکا تھا۔

؎ سن اے تہذیب حاضر کے گرفتار غلامی سے ہے بہتر بے یقینی

؎ لے گئے تثلیث کے فرزند میراث عمل خشت بنیادِ کلیسا بن گئی خاکِ حجاز

ایم ڈی تاثیر نے اقبال کی آفاقی وسعت کے تناظر میں کیا عمدہ رائے دی:

''ڈاکٹر اقبال بدنی اعتبار سے دُنیا میں موجود نہیں اس کے باوجود ان کی جملہ تخلیقات کا سرمایہ اس قدر زندہ و تابندہ ہے ان کا بہ حیثیت انسان چرچا پہلے سے زیادہ ہے۔ گویا مر کر وہ اور بھی زندہ ہو گئے ہیں اور جوں جوں وقت گزرتا جائے گا،ان کے اثر اور ان کی شہرت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ موت کے بعد زندگی نام کو تو بادشاہوں اور جرنیلوں کو حاصل ہو سکتی ہے مگر اصلی زندگی، مسلسل اثر ڈالنے والی زندگی،ادیبوں اور صناعوں کے لیے ممکن ہے۔''(1)

اقبال نے مابعد الطبیعات(Metaphysics) کے مطالعہ کے بعد اس بات کو بھی جان لیا تھا کہ فلسفے کی آفاقیت دم توڑ چکی ہے اور خِرد کی گتھیوں کو سلجھانے والا خود ایک گتھی بن کر رہ جاتا ہے ،ایسے میں اس کے شعور کی جلا،کا محرک کہاں سے ڈھونڈا جائے۔ اقبال نے دینِ اسلام کی تعلیمات کو فلسفے کی شعوری پرتوں کو کھولنے اور عقل کے دریچے وا،کرنے کے لیے بطور ہتھیار استعمال کیا جس میں یہ کامیاب دکھائی دیئے۔

؎ ہے مری جرأت سے مشتِ خاک میں ذوقِ نمو میرے فتنے جامۂ عقل و خرد کا تار پو

؎ خرد کی گُتھیاں سلجھا چکا میں مرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر

اقبال کے ہاں مشرق و مغرب کے تمام تر بیانیوں کی ترجمانی ملتی ہے۔اقبال نے متقدمین سے لے کر اپنے ہم عصر تک جملہ حاذقین کی تصانیف و تالیفات سے استفادہ کیا۔وہ "کامل انسان ہو" یا "سپرمین کا فلسفہ ،خودی کا تصور" ہو، یا "کاملِ عرفانِ یزداں کی شناسائی کا معمہ، عقل و عشق کے مظاہرات "ہوں یا "غمِ جاناں" اور "غمِ دوراں کے پُر پیچ مجازی قضیے"،اقبال نے فکر و فلسفہ کے ان بیانیوں پر اپنے افکار کی گہری چھاپ چسپاں کی ہے۔

اقبال اپنے عہد کا بڑا شاعر ہونے کے ساتھ آنے والے زمانے کے لیے روشنی کا پیامبر بھی تھا۔اس کے ہاں وہ سبھی امکانات موجود ہیں جو آفاقی نوعیت کے مسائل و معاملات کے حل کے لیے کار گر ہو سکتے ہیں۔اقبال نے برصغیر کی رعایا کے ذہن کو سمجھ لیا تھا۔اس کے ہاں گہری فکر کی دسترس موجود تھی جس کے آئینے میں ہر دھندلی چیز ثقیل ہو کر فروزاں ہو جاتی ہے۔

؎ خدایا! آرزو مری یہی ہے مرا نورِ بصیرت عام کر دے

ڈاکٹر شوکت سبزواری لکھتے ہیں:

Tarjihaat
Volume: V
Issue: VII- VIII July-August 2025 جولائی۔اگست ۲۰۲۵
ISSN: 2583-0082
Online Research Journal

''اقبال کی شاعری کا موضوع بہت وسیع ہے،اس میں اتنی ہی وسعت ہے جتنی اس رنگا رنگ کائنات میں ہے۔ اقبال کے حیات وکائنات کے حقائق ومسائل کو فکری کی جنگاہ بنایااوران میں پیچدگی تھیاس لیے اس کی پیچدگی کا پر تواقبال کے کلام پر پڑالیکن وقتِ نظر سے کام لے کر بظاہر متضاد کیفیات واحوال میں جس انداز سے اس نے توازن قائم رکھااس کی داد نہیں دی جاسکتی۔''(2)

اقبال کے پہلے شعری مجموعے "بانگ درا"(1924)پر سرسری نگاہ دوڑائیں تو پتہ چلتاہے کہ اس کے ہاں مغربی شعرا کے کلام سے استفادہ کا رجحان نسبتاً زیادہ پایا جاتاہے۔پہلی نظم "ہمالہ "میں آفاقیت کا عنصر بدرجہ غایت موجود ہے۔ نظم "ہمالہ" سے شروع ہونے والے آفاقی پیغام نے اقبال کی فکر کو چہار دانگ عالم میں نہ صرف متعارف کروایابلکہ اس کی لے نے ہر سوز کے درد کو مہمیز بھی کیا۔اقبال نے مرزا غالب(1797-1869)ایسے آفاقی شاعر کو جس انداز میں خراجِ تحسین پیش کیاہے،یہ بھی دیکھنے کی چیز ہے۔علاوہ ازیں "سرگذشتِ آدم "میں اقبال کی آفاقی سوچ کا تفکر کس قدر بلند دکھائی دیتاہے۔

؎ رہی حقیقتِ عالم کی جستجو مجھ کو دکھایااوجِ خیالِ فلک نشیں میں نے

؎ لہو سے لال کیا سینکڑوں زمینوں کو جہاں میں چھیڑ کے پیکارِ عقل ودیں میں نے

اقبال نے "ایک مکڑااور مکھی،ایک پہاڑاور گلہری،ایک گائے اور بکری،ماں کا خواب،آفتاب" نظموں کو مشہور مغربی شعرا کی نظمیات کا طبع زاد ترجمہ کیاہے۔بظاہر یہ نظمیں بچوں کے لیے لکھی گئی ہیں لیکن ان نظموں کے سیاق کو تنقیدی نکتہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ معلوم ہوتاہے کہ اقبال مقامی دھرتی کی قید میں اپنے شعور کو مقید نہیں کرناچاہتے تھے بلکہ اپنے آپ کو سرحدوں سے ماورا سمجھتے تھےاور یہ چاہتے تھے کہ ان کے کلام میں آفاقیت کے جملہ پہلوؤں کی بازگشت سنائی دے۔

؎ آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

؎ تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا تیرے سامنے آسماں اور بھی ہے

اقبال نے مغربی شعرا کی فکراور مخصوص طرزِ حیات کے متنوع بیانیے کو کمال فنی چابکدستی سے سہل،رواں اور آسان زبان میں شعری زبان عطا کرکے نہ صرف اپنے کلام کو امر کیابلکہ ان شعرا کو ہمیشہ کے لیے برصغیر کے باسیوں کے لیے متعارف بھی کروادیا۔

اقبال نے اسی شعری مجموعے میں "عشق اور موت،موجِ دریا،تصویرِ درد،نالہ فراق،ماہِ نو،ایک آرزو،شمع وپروانہ" ایسی نظمیں شامل کیں جن میں آفاقی عنصر کی گہری پرتیں مفلوف دکھائی دیتی ہیں۔آفاقی رنگ کاتانا بانا کائنات کے وسیع نظام سے ہم آہنگ ہے۔آفاقی رنگ کا تعلق کسی ایک خطے،علاقے یاجغرافیے تک محدود نہیں ہوتابلکہ اس میں کل کائنات کی جلوہ گری معمور دکھائی دیتی ہے۔

؎ یہ نکتہ سرگزشت ملت بیضا سے ہے پیدا کہ اقوام زمین ایشیا کا پاسباں تو ہے

Tarjihaat
Volume: V
Issue: VII- VIII July-August 2025 جولائی۔اگست ۲۰۲۵
ISSN: 2583-0082
Online Research Journal

اقبال کی غزلیات میں بھی ہمیں آفاقی رنگ کی متنوع پرتیں صاف دکھائی دیتی ہیں۔اقبال ایک بڑا ذہن تھے،ان کے ہاں بہت کچھ کہنے کی خواہش کے باوجود مزید کچھ کہنے کی تڑپ ہمیشہ رہی۔اُردو زبان کی تنگ دامانی کا گلہ ہر بڑے شاعر کو رہا ہے۔یہ شاعر دُنیا کی کسی بھی بڑی زبان سے تعلق رکھتا ہے خواہ وہ اقبالؔ، غالبؔ(1797-1869)، رومیؔ(1207-1273)، برگساںؔ(1869-1914)، شکیسپیرؔ(1564-1616)رودکیؔ(858-941)،فردوسیؔ(940-1020)،ایلیٹؔ(1888-1965)، کیٹس(1795-1821)ؔہو،یا پھر وہ جس کے نام آپ کے ذہن میں کلاسیکی و مابعد جدید روایت کے پیشِ نظر سامنے آچکے ہیں۔

اقبال جانتے تھے کہ انھیں کیا کہنا ہے اور کس طرح سے کہنا ہے،اسی لیے اقبال نے اُردو زبان میں وہی کچھ کہا جو اس زبان میں وہ آسانی سے کہہ سکتے تھے۔اقبال نے "اسرارِ خودی(1915)"اور "رموزِ بے خودی(1918)"میں جس طرح اپنے ذہن کی جلا کو وسعت عطا کرتے ہوئے سیر افلاک کے مناظر تخلیق کیے اور محض تخیل کی کارفرمائی سے حقیقت کے ٹھوس شواہد کو جھٹلا دینے کی کوشش کی،یہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ایم ڈی تاثیر لکھتے ہیں:

> ''اقبال کا شاعرانہ معدہ بہت مضبوط ہے،اسے بد ہضمی نہیں ہوتی،وہ ثقیل سے ثقیل خیالات کو ہضم کر لیتا ہے، اور وہ اپنے مشہور انگریزی لیکچروں میں ہم سب کو دعوت دیتا ہے کہ ہم بھی ایسا کریں اور پچھلے ساتھ آٹھ سو سال سے جو ایشا علم کی دوڑ میں پیچھے رہا جاتا ہے،اس کی تلافی کریں اور ہمیں اپنے سے آگے آگے چلنے والے مغربی متلاشیان علم کی کوششوں سے فائدہ اُٹھانا چاہیے۔''(3)

مولانا رومیؔ(1207-1273)کی معیت میں آسمانوں کی سیر کا سفر کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے جسے نظر انداز کر دیا جائے۔کہاں رومیؔ اور کہاں اقبال۔دونوں کے زمینی دور اور عصری عہد میں سینکڑوں برس کا بُعد ہونے کے باوجود تخیلی اعتبار سے ہم آہنگی کا امتزاج اپنی مثال آپ بن کر رہ گیا ہے۔سیرِ افلاک کے اس فن پارے کو آفاقی تناظر میں پرکھ کر دیکھا جائے تو انسانی حواس مختل ہو جاتا ہے کہ ایک عام خس و خاشاک سے عمارت وجودِ خاکی ذہنی و قلبی اور روحانی اعتبار سے افلاک کی بلندیوں پر محضِ پرواز ہے اور جو کچھ دیکھ رہا ہے اور محسوس کر رہا ہے وہی اپنے قارئین کو بھی لوٹا رہا ہے۔

؎ اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں مگر ترے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارہ

اقبال نے "صقلیہ (Sicily,)" نظم میں بھی کچھ ایسا ہی تجربہ کیا ہے،اقبال کے ہاں "انسان" کوئی معمولی جنس نہیں ہے بلکہ اسے "عشرتِ امروز" کے تناظر میں تجزیہ کر کے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے "عاشق ہرجائی" کی تان "سلیمیٰ" پر جا کر ٹوٹتی ہے جہاں "کوششِ ناتمام" کی ساری کاوشیں "وصال" کی منتظر ہونے کے باوجود "نوائے غم" میں پناہ لینے پر مجبور ہے۔مذکورہ نظمیات کے سیاق میں آفاقی پہلوؤں کی برکھا چھم چھم کرتی انسانی حواس کو شرابور کرتی محسوس ہوتی ہیں۔

ے ہر شے میں ہے نمایاں یوں تو جمال اُس کا آنکھوں میں ہے سلیمٰی تیری کمال اُس کا

ے رازِ حیات پوچھ لے خضرِ خجستہ گام سے زندہ ہر اک چیز ہے کوششِ ناتمام سے

ے بے نیازی سے ہے پیدا مری فطرت کا نیاز سوز و سازِ جستجو مثلِ صبا رکھتا ہوں میں

اقبال نے مناظرِ فطرت میں ایسی جلوہ گری دکھائی ہے کہ ان کے ہم عصر شعرا کے ہاں ایسا آہنگ مشکل سے دکھائی دیتا ہے جس میں آفاقی رنگ کی مہک مدغم ہو کر شیر و شکر ہو گئی ہے۔اقبال نے "بلادِ اسلامیہ" سے تخلیقی سفر کا آغاز کیا جس نے "گورستانِ شاہی" کی دیواروں سے ہمیں "فلسفہ غم" کو سمجھنے میں مدد فراہم کی۔

اقبال کے ہاں "ترانہ ملی" کوئی خاص چیز نہیں کہ جس میں "وطنیت" کی آمیزیش کے بغیر "شکوہ" اور "جوابِ شکوہ" کا جواز بے معنی ٹھہر جاتا ہے۔اقبال نے ہمیں یہ بتایا کہ "نمودِ صبح" کی سحر انگیز کیفیات میں مبتلا انسانی ذہن دراصل "نوید صبح" کی آس لیے ہوئے ہے جس کے ہاں " غلام قادر روہیلہ(1789 وفات)"، شبلی(1857-1914) وحالی(1837-1914)، صدیق(573-634)،ابو طالب کلیم(1581-1665)، فاطمہ بنت عبداللہ(1898-1912)، صائب(1592-1676)، شیکپئیر(1616-1656)، ہمایوں(1508-1556)" اور" عرفی(1556-1591)"ایسے شعرا وحاذقین کا تفکر سرنگوں دکھائی دیتا ہے۔

ے میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا گہرا ہے مرے بحرِ خیالات کا پانی

ے سکوت آموز طولِ داستانِ درد ہے ورنہ زباں بھی ہے ہمارے منہ میں اور تابِ سخن بھی ہے

اقبال کے ہاں محض دینِ اسلام کی پرچاری کا تصور نہیں پایا جاتا بلکہ اقبال نے تقابل ادیان کے تصودِ احدیت کو بھی انسانی تصور کا اوجِ ثریا قرار دیا ہے۔ایک انسان جسے ذات پات، رنگ نسل، اونچ نیچ اور معیار واقدار ہائے زیست کی حاجت نہیں، وہ خود کو عقلِ کل اور حاذقِ موجد تصور کرتا ہے؛ اُس کے لیے راہِ ہدایت کی روشنی خدائے واحد کے طریقِ ایزدی کے پیامبر کی سوانح سے باآسانی مل سکتی ہے۔پروفیسر آل احمد سرور لکھتے ہیں:

> "اقبال کی شاعری ایک طرف پیمبرانہ شاعری کے راہنما اصول فراہم کرتی ہے تو دوسرے طرف نغمہ ونالہ کے آداب بھی۔ اقبال کیشاعری میں بلندی پرواز کا thrill، دھرتی اور آفاق کا نیا تناظر اور ماضی، حال اور مستقبل کا ایک نیا صحیفہ ملتا ہے اور انسان کی عظمت پر ایک نیا اعتماد پیدا کرتا ہے۔"(4)

انسان کا مسئلہ یہ ہے کہ اس کا شعور عقل کے تابع ہونے کی بجائے شعور کو عقل کے تابع کرنے کی خواہش کرتا ہے ۔انسان اپنے آپ کو کامل ترین انسان بنانے کی خواہش تو کرتا ہے لیکن اس کی یہ آرزو" دریوزہ خلافت" کی حسرت پر آکر دم توڑ دیتی ہے اور وہ" میں اور تو" کے فلسفے میں اُلجھ کر "اسیری" میں مبتلا ہو جاتا ہے اور " شبِ معراج" کی حقیقت سے منکر ہو

Tarjihaat
Volume: V
Issue: VII- VIII July-August 2025 جولائی۔اگست ۲۰۲۵
ISSN: 2583-0082
Online Research Journal

کر "مذہب" سے بیگانگی اختیار کر لیتا ہے جس کا نتیجہ "تہذیبِ حاضر" کی چکاچوند کشش میں بہک کر "کفر و اسلام" کے تقابل میں کبھی "نانک(1469-1539)" کبھی "عرفی" اور کبھی "صائب" سے روشنی مستعار لیتا ہے لیکن "حضورِ رسالت مآب" میں سرنگوں کی ہونے کو شش نہیں کرتا اور ہمیشہ کے لیے جہل کی نذر ہو جاتا ہے۔

؎ ہزاروں لالہ و گل ہیں ریاضِ ہستی میں وفا کی جس میں ہو بُو، وہ کلی نہیں ملتی

اقبال نے "مسجد قرطبہ" (ہسپانیہ کی سرزمین) سے جس ذہنی بدلاؤ کے سفر کا آغاز کیا تھا وہ دراصل انسان کے باطن کا سفر تھا۔ اقبال نے حقیقتاً اس بات کو تسلیم کر لیا تھا کہ مشرق و مغرب کی آفاقی اقدار و روایات کے سنگم میں اگر کہیں شعور کی سمت موجود ہے تو اُس کی بجھی چنگاری قرطبہ کے مسمار شدہ طاقچوں میں ہے۔ اقبال جب "طارق(670-720) کی دُعا" کا ذکر کرتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے پوری کائنات ایک انسان کی مدد کے لیے پِل پڑی ہے اور باطل کے خلاف صف آرا ہو گئی ہے۔

؎ طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو وہ سوز اُس نے پایا انھی کے جگر میں

؎ کشادہ دردِ دل سمجھتے ہیں اِس کو ہلاکت نہیں موت اِن کی نظر میں

اقبال نے "ملا اور بہشت" کے تصور کو آفاقی رنگ میں کس قدر عمدگی سے شاعرانہ آہنگ عطا کیا ہے۔ اقبال نے "ساقی نامہ" میں اس بات پر زور دیا ہے کہ گرتے ہوئے کو سنبھالنے والے دراصل مستحکم بنیاد کے شناوروں سے آگے کے مسافر ہیں۔ اقبال ہمیں بتاتا ہے کہ "دین و سیاست" کوئی چیز نہیں ہے، ساری کائنات کا مالک و خالق "الارض اللہ" ہی ہے۔ اقبال نے اپنی شاعری میں فقط مسلمانوں اور ان کے داعی کے پیغام کے پرچار کو فروغ دینے کی کوشش نہیں کی بلکہ عالمِ اسلام سے قبل و مابعد کے جدید تناظرات کو بھی تصورِ احدیت کے آفاقی پہلوؤں میں رکھ کر دیکھا ہے۔

؎ اس دور میں تعلیم ہے امراضِ ملت کی دوا ہے خونِ فاسد کے لیے تعلیم مثلِ نیشتر

اقبال اُس وقت کی بات کرتا ہے جب "روحِ ارضی آدمؑ کا استقبال کرتی ہے" اور ہمیں پتہ چلتا ہے کہ "جبرئیل و ابلیس" کے درمیان آدمؑ کی خلاف کے معاملے میں کیا مکالمہ کار فرما تھا۔ اقبال ہمیں مغربی مفکرین کے نظریات سے آگاہ کرتا ہے۔ اقبال تخلیل کے گھوڑے پر بیٹھ کر ہمیں کبھی "نپولین(1769-1821) کے مزار پر" پر لے جاتا ہے اور کبھی "مسولینی(1883-1945)، نادر شاہ افغان(1883-1933)، خوشحال خان خٹک(1613-1689)، ابولالعلا مری(973-1057)، شیخ مکتب، ہارون(766-809)" سے بات کرواتا ہے اور ان کے نظریات اور تصورِ زیست کے بارے میں بتلاتا ہے کہ یہ عظیم شخصیات کس طرح آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کو دیکھتے تھے اور اس کی تعمیر و تخریب میں انھوں نے کیا حصہ ڈالا۔

؎ کہہ رہا ہے مجھ سے اے جوئے اسرارِ ازل! چشمِ دل وا ہو تو ہے تقدیرِ عالم بے حجاب

؎ تُو کوئی چھوٹی سی بجلی ہے کہ جس کو آسماں کر رہا ہے خرمنِ اقوام کی خاطر جواں

Tarjihaat
Volume: V
Issue: VII- VIII July-August 2025 جولائی۔اگست ۲۰۲۵
ISSN: 2583-0082
Online Research Journal

اقبال کے ہاں آفاقیت کے تصور کو جدید تناظرات میں دیکھا جائے تو ہمیں ہر چیز صاف اور ثقیل دکھائی دیتی ہے۔اقبال نے کہیں یہ مبالغہ کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی تاریخ کو مسخ کر کے اپنی طرف سے حذف واضافہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اقبال کے ہاں ہر چیز کے بارے میں تشکیک کا عنصر دکھائی دیتا ہے۔اقبال ہمیں یہ بتاتا ہے کہ انسان دراصل ماٹی کا ایک پُتلا ہے جس کی بنیاد خالصتاً سلسال مٹی سے ہوئی ہے جو ذرا سی سختی کو برداشت نہیں کرتی اور بکھر کر ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے۔

؎ یہ تڑپ ہے، یا ازل سے تیری خُو ہے، کیا ہے یہ رقص ہے، آوارگی ہے، جستجو ہے، کیا ہے

مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں:

> ''ایک عظیم مفکر اور فلسفی کی حیثیت سے علامہ اقبال نے جن عوارض کی بنا پر معاشرے کی اصلاح اور قومی کردار کی تعمیر کی بات کی ہے وہ اپنے اندر آفاقی پہلو لیے آج بھی ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے۔دوسری طرف ہمارے دشمن ہماری کمزوروں سے فائدہ اُٹھا کر ہمیشہ اس گھات میں رہتے ہیں کہ ہماری ملی یکجہتی کو پراگندگی اور انتشار کی بھینٹ چڑھا کر ہمیں تباہی کے دہانے تک پہنچادیں۔''(5)

اقبال نے انسانی نفسیات کے پُر پیچ نکتوں اور گتھیوں کو سلجھانے کے لیے علم بدیع کے جملہ فنی محاسن کو برتا ہے۔اقبال کے ہاں علامتوں کا ایک مربوط نظام موجود ہے۔اقبال کے ہاں شائد ہی کوئی پہلو چھوٹ گیا ہو، جس پر شاعرانہ صناعی کی قلعی نہ چڑھائی گئی ہو۔اقبال کی زبان سادہ ہے لیکن فکر کا دھارا،اس قدر وسعت لیے ہے کہ الفاظ اپنی بے مائیگی پر شرمساری محسوس کرتے ہیں۔

؎ زندگی کا شعلہ اس دانے میں جو مستور ہے خود نمائی، خود فزائی کے لیے مجبور ہے

اقبال نے پنجاب کی دھرتی اور اس کے باسیوں کو بارہا پکارا ہے اور انھیں اپنا فرض ادا کرنے اور اپنا کردار ادا کرنے کی تلقین کی ہے۔اقبال ہمیں بتاتے ہیں کہ "ستارے کا پیغام" کیا ہے "پنجاب کے دہقان سے" بھی کچھ راز و نیاز کی باتیں کرتے ہیں اور اسے یہ احساس دلاتے ہیں کہ تمہارا خدائے واحد کے ساتھ ایک آفاقی تعلق ہے اور تیرے ہاتھوں میں رزق اُگانے کی طاقت قدرت نے ہی ودیعت کی ہے جسے بروئے کار لانا بہت ضروری ہے۔

اقبال "پنجاب کے پیرزادوں سے" سے مکالمہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کرامت کچھ نہیں ہوتی۔یہ تو ایک خود ساختہ اختیاری عمل ہے۔تصوف کے مناہج کو اس کی اصل غائیت میں سمجھنا ضروری ہے۔اقبال "خانقاہ" کی اصل نیو کے حقیقی فلسفہ کا تعارف جداگانہ انداز میں کرواتے ہیں۔

؎ رمز و ایما اس زمانے کے لیے موزوں نہیں اور آتا بھی نہیں مجھ کو سخن سازی کا فن

Tarjihaat
Volume: V
Issue: VII- VIII July-August 2025 جولائی۔اگست ۲۰۲۵
ISSN: 2583-0082
Online Research Journal

اقبال "ابلیس کی عرضداشت" کے ذریعے یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ خدا نے اپنے نظامِ احدیت کے تیقن کے لیے ابلیس کی تخلیق اس لیے کہ تاکہ انسان کو آزمائش و آسایش کی کسوٹی سے گزارا جائے اور دیکھا جائے کہ یہ کس طرح خود کو اپنے مدار کے تابع کرتا ہے یا خدائے لم یزل کی لبیک پر دوڑا چلا آتا ہے۔

؎ تجھ کو نہیں معلوم کہ حُورانِ بہشتی ویرانیِ جنت کے تصور سے ہیں غم ناک؟

اقبال کے ہاں فضا کے پرندوں سے لے کر جنگل کے درندوں تک کا ذکر ملتا ہے۔ اقبال نے پرندوں کی صفات میں آفاقیت کے تصور کو ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے۔ پرندوں کا نہ کوئی گھر ہوتا ہے اور نہ کوئی گھونسلا اور مسکن۔ ان کی قوتِ پرواز ہی ان کی پہچان ہوتی ہے۔ پوری کائنات ان کے رزق اور ٹھکانے کی آماجگاہ ہے جہاں اس کا رین بسیرا ہو جائے وہی ان کا ٹھکانہ ہو جاتا ہے۔

؎ یہ پورب یہ پچھم چکوروں کی دُنیا میرا نیلگوں آسماں بیکرانہ
؎ پرندوں کی دُنیا کا درویش ہوں میں کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

اقبال کے ہاں پرندوں کے ذکر کو آفاقی حیثیت حاصل ہے۔ اقبال نے پرندوں کو کسی ایک خطے، علاقے اور جغرافیت تک محدود کر کے نہیں دیکھا۔ اقبال کا تصورِ شاہین آفاقیت کی درخشاں شناخت ہے جس میں انسان اپنے کامل ترین تشخص کے عرفان کو دیکھنے کی سعی کرتا ہے۔ اقبال ہمیں بتاتے ہیں کہ "لہو" اور "پرواز" میں کیا تعلق ہے اور "حال و مقام" میں کس چیز کا اتصال کارفرما ہے۔

اقبال کے ہاں "آزادیِ افکار" کا فلسفہ بڑا معنی خیز ہے۔ اقبال نے اس بات کو شدت سے محسوس کر لیا تھا کہ انسان اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں ہے، اس کی حیات کی ناپائیداری ہی اس کی بقا کی خواہش میں مضمر ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ کامل ترین تصور کے اوج کو چھو، لے لیکن ہاتھ میں ہاتھ دے کر وحدت اور یگانت کے اُسلوب کو اختیار کرنے کی شعوری کوشش نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی یگانت اور اتحاد و اتفاق کے آفاقی تصور میں ہمیشہ سے بدگمانی و دراندازی کا رخنہ موجود رہتا ہے جس کی سطوت اور رُعب سے ہر نئی سوچ کو اندیشے لاحق ہوتے ہیں جو اس کی خودی اور نیابتِ الٰہی کے وجدانی ذوق کو مضمحل کر ڈالتا ہے۔

؎ یہ گھڑی محشر کی ہے، تُو عرصہ محشر میں ہے پیش کر غافل، عمل کوئی اگر دفتر میں ہے

اقبال کا شعری سفر ایک منطقی ترتیب کے ساتھ جاری رہا۔ اقبال کے ہاں جیسے جیسے سوچ کا دھارا وسیع ہوتا گیا ویسے ویسے اس کی فکر میں جولانی نے زور پکڑا۔ اقبال کے "ضربِ کلیم (1936)" مجموعے میں تفکر کی گہرائی اور روحانی ریاضت کی مشقت کے استحکام کو "بانگِ درا" کی نسبت زیادہ محسوس کیا جا سکتا ہے۔

Tarjihaat
Volume: V
Issue: VII- VIII July-August 2025 جولائی۔اگست ۲۰۲۵
ISSN: 2583-0082
Online Research Journal

اقبال نے مشرق و مغرب کے فلسفے کھنگال ڈالے، حاذقین و ناقدین کے نظریات و تصورات سے آگہی لے لی۔ اپنے عہد کے اذہان کی جملہ تصانیف تالیفات سے اخذ و استفادہ کر لیا۔ اتنا کچھ کر لینے کے بعد اس شخص کی تان مذہب کے گیان پر ٹوٹتی دکھائی دی۔ اس کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں جس کا ماحصل یہ کہ انسان لوٹ کر اپنی فطرت پر آتا ہے۔

؎ بیاں کی خلوت خوش آتی ہے مجھ کو ازل سے ہے فطرت مری راہبانہ

؎ تری فطرت میں ہے ممکنات زندگانی کی جہاں کے جوہرِ مضمر کا گویا امتحاں تو ہے

شعور، تدبر، تفکر اور فلسفہ ہائے زیست کا جملہ نظام انسانی فطرت کے تابع ہے جس سے سرمو انحراف ممکن نہیں ہے۔ اقبال نے اس بات کا واشگاف اعلان کیا ہے کہ خرد کی گتھیاں سلجھانے والا ایک مُعمہ بن کر رہ جاتا ہے جسے دینِ حق کی روشنی مل جائے تو نیا پار لگ جاتی ہے ورنہ غرقاب ہونا اس کے مقدر میں لکھا ہوتا ہے۔

؎ خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

اقبال کے ہاں "اسلام اور مسلمان" ایک مستقل موضوع کی حیثیت سے موجود ہے۔ اقبال نے "مسلمان کا زوال" میں ہمیں بتایا ہے کہ کس طرح مسلمان سب کچھ ہونے کے باوجود تنزل کی کھائی میں گر پڑا ہے۔ اقبال نے "تقدیر، توحید، علم اور دین، ہندی مسلمان، جہاد، قوت اور دین، فقر و ملوکیت، اسلام، تصوف، دنیا، نماز، وحی، قبر، قلندر کی پہچان، کافر و مومن، مومن، مدنیت اسلام" کے ذریعے ہمیں یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ اسلام فطرت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے اور انسان کی حقیقی فلاح اور ترقی و خوشحالی کے ایک داعی کی حیثیت رکھتا ہے۔

اقبال نے "تسلیم و رضا" کے فلسفے کو بھی سمجھایا اور یہ بتایا کہ "نکتہ توحید" سے کیا مراد ہے اور "جاں و تن" کس کے لیے قربان ہونے چاہیے۔ اقبال نے "آدم" کے تصور کو "مہدی" کے تخیلی پیکر میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے، اقبال "مرد مومن" کو "احکام الٰہی" کے تابع کرنا چاہتا ہے۔

اقبال "اقوامِ مشرق" کو "زمانہ حاضر کا انسان" گردانتا ہے۔ اقبال "مصلحین مشرق" سے التجا کرتا ہے کہ "مغربی تہذیب" کی کشش ایک دن ماند پڑ جائے گی اور تم پھر لوٹ کر اپنی اصل پر آؤ گے اس لیے بہتر ہے کہ ملانجار بننے کی کوشش نہ کرو اور "خودی کی تربیت" کے لیے "بیداری" پر زور دو اور "خودی کی زندگی" کو "تربیت" کے ذریعے مشاق کرنے کی کوشش کرو، تاکہ "حکومت" کرنے کا تمہارا خواب "آزادی فکر" کا علمی نعرہ بن کر سامنے آئے جس کے لیے تمہیں "سلطان ٹیپو (1751-1799) کی وصیت" پر عمل کرنا ہوگا اور "ہندی مکتب" کی اصلاح کے ساتھ "عصرِ حاضر" کے تقاضوں کو پورا کرنا ہوگا۔

؎ نہنگ زندہ ہے اپنے محیط میں آزاد نہنگِ مردہ کو موجِ سراب بھی زنجیر

؎ تجھ میں ابھی پیدا نہیں ساحل کی طلب بھی وہ پاکیِ فطرت سے ہوا محرمِ اعماق

؎ قسمتِ بادہ مگر حق ہے اُسی ملت کا — انگبیں جس کے جوانوں کو ہے تلخابِ حیات

اقبال نے اپنے عہد کے جعلی "اساتذہ" کو مسلمانوں کی تنزل کی وجہ قرار دیا ہے اور ان کی جملہ اخلاقی تباہی کا قصور وار گردانا ہے۔اقبال کہتے ہیں انسان کی شخصیت کے آفاقی قد و قامت کا تعین " مدرسہ " کرتا ہے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ یہاں تو شعور کا گلہ ہی گھونٹ دیا جاتا ہے پھر لا الہ اللہ کی صدا" جاوید سے "کہاں سے آئے گی کہ اس کی "خلوت " پاک نہیں ہے اور اسے "امتحان" کی کسوٹی سے گزارا نہیں گیا۔

؎ اُس جنوں سے تجھے تعلیم نے بیگانہ کیا — جو یہ کہتا تھا خرد سے کہ بہانے نہ تراش

؎ دُنیا ہے روایات کے پھندوں میں گرفتار — کیا مدرسہ، کیا مدرسے والوں کی تگ و دو!

اقبال کے ہاں تہذیب کی پرورش عورت کے ہاتھ سے ہونا، ناگزیر ہے۔اقبال نے عورت کو کائنات کا واحد "معمارِ قوم "قرار دیا ہے جس سے کائنات کی رونق اور کشش باقی ہے۔اقبال کے ہاں "عورت" محض عورت نہیں ہے بلکہ "عورت کی حفاظت"" عورت اور تعلیم "کے سنگم سے ممکن ہے۔

؎ اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش — مجبور ہیں، معذور ہیں، مردانِ خرد مند

اقبال کے ہاں جہاں جوابات کی برکھا برستی ہے وہاں سوالات کی بوچھاڑ بھی دکھائی دیتی ہے۔اتنے سوالات ہیں جن کے جوابات ہنوز اقبال کو نہیں مل سکے۔اقبال ہر چیز پر سوال اُٹھاتا ہے،اس کے سوالات کی نوعیت بھی آفاقی قسم کی ہے۔سوال جتنا بڑا ہوتا ہے جواب اس سے زیادہ وسیع تناظر کا حامل ہوتا ہے۔اقبال نے کچھ سوالوں کے جوابات خود سے تراشنے کی کوشش کی ہے۔

محمد علی ولادیت خان(1956-2006)لکھتے ہیں:

> ’’اقبال کو زمانے نے مہلت نہ تھی،اس کی عمر نے اس سے وفا نہیں کی،اقبال کو اپنی شاعری کی آخری منزل پر پہنچنے سے پہلے موت آگئی اور یہی وجہ ہے کہ بعض نقادوں کو اس کی شاعری میں بڑا تضاد اور بے راہ روی نظر آتی ہے۔اقبال کا عطا کردہ شاہینی تجسس،اس کا عشق براہیمی،اس کی نگاہ قلندانہ،اس کی حرات مجاہدانہ،اس کی طبیعت خطر پسند،اس کا نالہ شب گیر،اس کی آہ سحر گاہی،اس کا فقر ملوکانہ،اس کے خیال و نظر کی مجذوبی، نئی دُنیا کے انسان کو زندگی کے جو صحیح آداب سکھا رہی ہے اس کے لیے انسانیت آخری غروبِ آفتاب تک اس کی ممنون رہے گی۔‘‘(6)

اقبال "پیرس کی مسجد " میں کچھ دیکھتا ہے تو "مردِ افرنگ " کی نیت کا پتہ چلتا ہے۔اقبال کی "نگاہِ شوق " میں "اہرام ِ مصر"کی "مخلوقاتِ ہنر "اپنا جلوہ دکھائی نظر آتی ہے۔"اقبال"خود کو بھی نہیں پہچانتا اور کہتا ہے کہ اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے واللہ نہیں ہے۔

؎ رگِ تاک منتظر ہے تری بارشِ کرم کی — کہ عجم کے مے کدوں میں نہ رہی مے مغانہ

Tarjihaat
Volume: V
Issue: VII- VIII July-August 2025 جولائی۔اگست ۲۰۲۵
ISSN: 2583-0082
Online Research Journal

اقبال نے اپنی دریافت کے لیے " خاقانی(1120-1199)، رومی، مرزا بیدل(1642-1720)، کارل مارکس(1818-1883)، ابی سینا(1033)، بلشویک، سکندر(323-356)، مسولینی " وغیرہ سے راہنمائی لینے کی کوشش کی ہے جہاں سے اسے کچھ نہ کچھ ضرور ملا ہے جس کی جھلک اس کے کلام میں دیکھی جاسکتی ہے۔

اقبال فقط ایک تالاب کے تیراک نہیں ہیں۔ان کے ہاں وطنیت کا تصور آفاقی حیثیت رکھتا ہے۔اقبال کے ہاں پوری کائنات ایک گھر کی حیثیت رکھتی ہے۔اقبال نے زمانی حدود سے ماورا ہو کر انسان کو، خود کو، کائنات کو، آفاق کو اور کل عالم کے نظام کو دیکھنے کی کوشش کی ہے۔اقبال کے ہاں ایسا کوئی موضوع موجود نہیں جو اس کی ذاتی زندگی کے سانحات سے عبارت ہو۔اقبال نے عالمِ کائنات کی از سر نو، توضیح کرنے کی کی کوشش کی ہے جس میں یہ کامیاب دکھائی دیتے ہیں۔

؎ مری نوا میں نہیں ہے ادائے محبوبی کہ بانگِ صور اسرافیل دل نواز نہیں

؎ اُلٹ جائیں گی تدبیریں، بدل جائیں گی تقدیریں حقیقت ہے نہیں میرے تخیل کی یہ خلاقی

اقبال کی نظر صرف برصغیر کے اندرونی معاملات پر نہ تھی بلکہ دُنیا بھر میں جہاں تک اقبال کی رسائی تھی وہاں جس لحاظ سے بھی ظلم ہوا ہے اور زیادتی و جور کا بازار گرم رہا۔اقبال کے ہاں اس کی بازگشت نظم و نثر میں برابر دکھائی دی ہے جو ان کی آفاقی سوچ کی آئینہ دار ہے۔

اقبال ظالم اور مظلوم کو ایک نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ یہ دیکھتے ہیں کہ زیادتی کرنے والا خواہ کسی قوم، قبیلے، علاقے، نسل ، مذہب اور وطن سے تعلق رکھتا ہے وہ ظالم ہے اور اُس کے خلاف اعلانِ جنگ کھلم کھلا کیا جائے گا۔اقبال اس معاملے میں مموں کو شاہین سے لڑوا دینے کے قائل ہیں لیکن ڈر کر پسپا ہونا گوارا نہیں کرتے ہیں۔اقبال کے اس تصور کی آفاقیت ہمیں "یورپ ، سوریا، جمعیت اقوام، شام و فلسطین، دارم تہذیب، اہل مصر سے، یورپ اور یہود" میں نظر آتی ہے۔

؎ صلہ فرنگ سے آیا ہے سوریا کے لیے مے و قمار و ہجومِ زناں بازاری

اقبال اپنے عہد کے واحد نباض تھے جنھوں نے اپنے عہد کے ٹیبو موضوعات پر کھل کر لکھا اور باوجود سخت تنقید کے اپنی رائے کا اظہار ببانگِ دُہل کیا ہے۔اقبال نے "ابلیس کی مجلس شوریٰ"(1936) کا مقدمہ جس دلیری اور ہمت سے لڑا ہے، وہ معمولی کارنامہ نہیں ہے۔"شکوہ" کے بعد "جوابِ شکوہ" سے اقبال کی انفرادی سوچ اور تفکر کے اوج کا پوری دُنیا نے مظاہرہ دیکھا تھا لیکن "ابلیس" کے تصور کو جس مثبت انداز میں اقبال نے متعارف کروایا ہے یہ ایک ناقابل فراموش چیز ہے۔

؎ ہے مری جرات سے مشتِ خاک میں ذوقِ نمو میرے فتنے جامہ عقل و خرد کا تار و پو

؎ میں کھٹکتا ہوں دلِ یزداں میں کانٹے کی طرح تو فقط اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو

اقبال کے ہاں تخیل کی کارفرمائی فکری حدود سے متجاوز، دکھائی دیتی ہے۔اقبال نے ہزاروں برس قبل کی دُنیا ہمیں دکھائی اور ہزاروں برس بعد کے احوال سے بھی آگاہ کرنے کی تخیلی سعی کی۔اقبال کی تخلیی پرواز میں اُڑان کی شدت اس قدر تیز ہے کہ پل جھپکتے ساتوں آسمان پر ان کا تخیل پرواز کرتا ہے اور یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ اگر میں چاہوں تو الفاظ میں اُس نظارے کا نقشہ کھینچ کر تمہارے سامنے رکھ دوں جسے میں سر کی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں مگر تمہاری سوچ، عقل، شعور اور تدبر نے اس حقیقت کو ماننے سے یکسر انکاری ہو جانا ہے کہ یہ تو مہمل اور لایعنی واردات ہیں۔

اقبال نے "دوزخی کی مناجات" کے ذریعے اسی تخیلی تموج کو ہمارے سامنے لانے کی شاعرانہ کوشش کی ہے۔ اقبال "آوازِ غیب" کے ذریعے "عالمِ برزخ" کے معاملات کو دیکھتے ہیں اور دکھاتے بھی ہیں۔اقبال "بڈھے بلوچ کی نصیحت کو بیٹے" کے لیے کتنی اہم سمجھتے ہیں، یہ صرف اقبال کے کلام کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے۔

؎ یہ علم، یہ حکمت، یہ سیاست، یہ تجارت — جو کچھ ہے، وہ ہے فکر ملوکانہ کی ایجاد

؎ مر کے جی اُٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام — گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوشِ لحد

؎ کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلامِ خس و خاشاک — مہر و مہ و انجم نہیں محکوم ترے کیوں

اقبال نے جس پیغام کو شاعری کے ذریعے ہم تک پہنچانے کی کوشش کی ہے وہ آفاقی رنگ لیے ہوئے ہے۔اقبال ایک خطے، علاقے، رنگ، نسل، یا مذہب و مسلک کے شاعر نہیں ہیں۔ان کے ہاں پوری دُنیا کے جملہ متنوع طرزِ زیست کے مظاہر ملتے ہیں۔اقبال کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ان کی شاعری اپنے اندر اس قدر پھیلاؤ رکھتی ہے۔

خلیفہ عبدالحکیم (1893-1969) لکھتے ہیں:

> ''انسانی تاریخ میں بڑے بڑے عظیم معجزہ ہائے ہنر، مرورِ ایام سے ناپید ہو گئے، کہیں کھنڈر باقی ہیں اور کہیں نشان بھی نہیں ملتا لیکن فلاسفہ فن لطیف نے فن کو خوبی اور کمال کو جانچنے کے لیے ایک یہ معیار بھی قائم کیا ہے کہ فن جس قدر حقیقی مظہرِ حیات ہوتا ہے اسی قدر اس کو ثبات حاصل ہوتا ہے۔دُنیا میں ہزار ہا شعرا پیدا ہوئے جن کا اب تک کوئی نام جانتا ہے اور نہ ان کے کلام کا نمونہ ملتا ہے لیکن ہومرؔ، حافظؔ، سعدیؔ، شیکسپیئرؔ، گوئٹےؔ پر زمانے کی دستبرداری کا کوئی اثر نہیں ہوا۔کلام کی معنویت اور آفاقیت کے تناظر میں اقبال کے عشق کو بھی یہی مقام میسر ہے۔عشق کو موت نہیں اس لیے اقبال اپنے زمانی و مکانی مظاہرات کے ساتھ ثبات کی طرف گامزن ہے۔''(7)

اقبال اوائل شاعری میں اُوب گئے تھے اور چاہتے تھے کہ شاعری چھوڑ کر کوئی اور کام کروں کیوں کہ یہ تو وقت کا ضیاع ہے۔ان کے ایک مغربی اُستاد آرنلڈ (1822-1888) نے ان کی ہمت بندھائی تھی اور کہا تھا کہ شاعری کو ترک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اس ذوق کو جاری رکھو۔یہ مشورہ بالکل ویسا ہی تھا جیسا مرزا غالبؔ نے مولانا حالیؔ کو دیا تھا۔

اگر مرزا غالبؔ، مولانا حالیؔ کو شاعری ترک کرنے کا مشورہ دے ڈالتے تو آج "مسدس مدو جزر اسلام "(1879)ایسا عظیم اور وقیع شعری فن پارہ تخلیق نہ ہوتا جس سے ایک دُنیا نے استفادہ کیا۔ مولانا حالیؔ کا" مسدس "اور اقبال کا پورا کلام یکجا شاعری میں میزان کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں پوری اُردو شاعری کی روایت مجتمع کر دیا جائے تو بلاشبہ اقبال والا پلڑا بھاری ثابت ہو گا۔

مختصر یہ کہ اقبال ایک شخص کا نام نہیں، ایک ادارے کا عنوان بن چکا ہے۔ اقبال کے بعد اقبال کے تفکر کی پذیرائی آج پوری دُنیا میں ہے۔ اقبال نے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ چکے۔ ان کی جملہ تعلیمات کو از سرِ نو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اقبالیات کو باقاعدہ ایک تحقیق کا میدان تصور کر لیا گیا ہے۔ اقبال کے کلامِ نظم و نثر پر اب تک ہزاروں کتب اور مقالات و مضامین لکھے جا چکے ہیں۔ پاکستان و بھارت کے علاوہ دُنیا کے پچاس سے زائد ممالک میں اقبال پر تحقیقی کام شائع ہو چکا ہے۔

علاوہ ازیں پاکستان کی دسیوں جامعات میں "اقبال سٹڈی" اور "اقبالیات" کے شعبہ جات کے علاوہ "اقبال چیئرز" کا اہتمام کیا گیا ہے جہاں اقبال کی فکر کو رواج و فروغ دینے کے لیے جویائے علم جوق در جوق آتے ہیں اور کلامِ اقبال کے حقیقی تصور سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

حاصلِ کلام: اقبال کے کلام میں بلاشبہ وہ طاقت اور قوت موجود ہے جو ایک قوم کی تشکیلِ نو کر سکتی ہے۔ اس طاقت اور قوت کو بروئے کار لانا عہدِ حاضر نے نمائندگان کی ذمہ داری ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ فکر و شعور کی اس شمع کو جلائے رکھنے میں پہل کون کرتا ہے۔ اقبال کے کلام میں ہمیں ہر مکتبہ فکر کی راہنمائی کا درس ملتا ہے۔ اقبال نے شعر و شاعری کے پنڈ کو اپنی ذات کے لیے اگرچہ ترک کر دیا تھا لیکن امت محمدیؐ کے اجتماعی شعور کو بیدار کرنے کے لیے اس شمع کو آخری سانس تک جلائے رکھنے کی اقبال نے کوشش کی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اقبال کے پیام کو اوروں تک لے جائیں تاکہ جو اقبال کی فکر سے ناآشنا ہے وہ بھی نالہ سوز کی حدت سے تڑپ اُٹھے اور اپنے آپ کی تلاش میں حقیقی عرفان کا گیان حاصل کر لے۔

؎ اور دکھلائیں گے مضموں کی ہمیں باریکیاں — اپنے فکرِ نکتہ آرا کی فلک پیمائیاں

؎ اس چمن میں ہوں گے پیدا بلبلِ شیراز بھی — سیکڑوں ساحر بھی ہوں صاحبِ اعجاز بھی

؎ لکھی جائیں گی کتابِ دل کی تفسیریں بہت — ہوں گی اے خوابِ جوانی! تیری تعبیریں بہت

حوالاجات

1۔تاثیر،ایم ڈی،اقبال:ایک آفاقی شاعر،مشمولہ،مضمون،اقبالیات کے سو سال،مرتبین،رفیع الدین ہاشمی،ڈاکٹر،محمد سہیل عمر،وحید عشرت،ڈاکٹر،لاہور:اقبال اکادمی،پاکستان،طبع سوم،2012،ص155

2۔شوکت سبزواری،ڈاکٹر،اقبال:آفاقی شاعر،مشمولہ،مضمون،اقبالیات کے سو سال،مرتبین،رفیع الدین ہاشمی،ڈاکٹر،محمد سہیل عمر،وحید عشرت،ڈاکٹر،لاہور:اقبال اکادمی،پاکستان،طبع سوم،2012،ص230

3۔تاثیر،ایم ڈی،اقبال:ایک آفاقی شاعر،مشمولہ،مضمون،اقبالیات کے سو سال،مرتبین،رفیع الدین ہاشمی،ڈاکٹر،محمد سہیل عمر،وحید عشرت،ڈاکٹر،لاہور:اقبال اکادمی،پاکستان،طبع سوم،2012،ص158

4۔آل احمد سرور،پروفیسر،اقبال کی معنویت،مشمولہ،مضمون،اقبالیات کے سو سال،مرتبین،رفیع الدین ہاشمی،ڈاکٹر،محمد سہیل عمر،وحید عشرت،ڈاکٹر،لاہور:اقبال اکادمی،پاکستان،طبع سوم،2012،ص200

5۔مجنوں گورکھپوری،اقبال،مشمولہ مضمون،علامہ اقبال:حیات،فکر و فن،مرتبہ،سلیم اختر،ڈاکٹر،لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز،2003،ص558

6۔محمد ولایت علی خاں،اقبال کا سیاسی پس منظر،مشمولہ،مضمون،علامہ اقبال:افکار و خیالات،مرتبین،مصباح الحق صدیقی،تسنیم کوثر گیلانی،لاہور:فرحان پبلشرز،سن،ندارد،ص113

7۔خلیفہ عبدالحکیم،فکرِ اقبال،دہلی:ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،1977،ص523

Reference:

1.Taseer ,MD,Iqbal:ayk afaqi shayar,mashmola,Iqbaleat k so sal,mutrebeen,Rafi u din Hashmi,dr,Muhammad Sohail Umer,dr,Waheed Ishrat,dr,Lahore,Iqbal Academy,Pakistan,taba soum,2012,p155

2.Shoukat sabazwari,dr,Iqbal:afaqi shayar,mashmola, Iqbaleat k so sal,mutrebeen,Rafi u din Hashmi,dr,Muhammad Sohail Umer,dr,Waheed Ishrat,dr,Lahore,Iqbal Academy,Pakistan,taba soum,2012,p230

3. Taseer ,MD,Iqbal:ayk afaqi shayar,mashmola,Iqbaleat k so sal,mutrebeen,Rafi u din Hashmi,dr,Muhammad Sohail Umer,dr,Waheed Ishrat,dr,Lahore,Iqbal Academy,Pakistan,taba soum,2012,p158

4.Aal e Ahmad Saroor,prof, Iqbal ki manveat, Iqbaleat k so sal,mutrebeen,Rafi u din Hashmi,dr,Muhammad Sohail Umer,dr,Waheed Ishrat,dr,Lahore,Iqbal Academy,Pakistan,taba soum,2012,p200

5.Majno Gorakhpuri,Iqbal,mashmola ,mazmon,Allama Iqbal:hayat o fan,mutrba,Saleem Akhtar,dr,Lahore:Sang e meel,publication,2003,p558

6.Muhammad Welaet Ali Khan,Iqbal ka seyasi pas manzar,mashmola,mazmon,Allama Iqbal:afkar o khayalat,murtebeen,Misbah ul haq sadiquee,Tanseen Kausar Geelani,Lahore, Farhan publisher,san nadarmp558

7. khaleefa Abdul Hakeem,fikar e Iqbal,Dehli,,educational publication house,1997,p523

Contact

Mohsin Khalid Mohsin

Lecturer,Govt.Shah Hussain Graduate College Chung,Lahore

House no 3,street no 09,Shadab colony Chung Multan Road Lahore

03014463640

mohsinkhalid53@gmail.com